مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

مغربی طرزِ انتخاب ـ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے!

قارئین جانتے ہیں کہ محترم مولانا عبدالرحمان کیلانی ایک عرصہ سے "ترجمان الحدیث" کے ذریعہ حالاتِ حاضرہ پر نہایت اہم، مفید، معلومات افزا اور سیر حاصل مضامین ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ ان کے مضامین کو علمی حلقہ میں خاص پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ خصوصًا علمی دنیا کی معروف ہستی محترم ڈاکٹر سید عبید اللہ صاحب نے اس سلسلہ میں مولانا موصوف کو مبارکباد کے دو خطوط ارسال فرمائے۔ جن میں سے ایک ہم ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں کیونکہ یہ بجائے خود بھی ہمارے لئے ایک راہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے:

۲۶/۵/۷۹

مکرم و محترم۔ السلام علیکم، مزاج شریف!

میں نے آپ کا گراں قدر، اطمینان بخش مقالہ زکوٰۃ، عشر اور ٹیکس کے سلسلہ میں ترجمان الحدیث کے تازہ ترین شمارہ (مئی ۱۹۷۹ء) میں پڑھا۔ دل کو بڑی تقویت ہوئی۔ دراصل آجکل کے تشکیکی اور غیر مطمئن فرنگ زدہ ذہن کے لئے ایسے ہی مضامین کی ضرورت ہے، جن سے شکوک و شبہات دور ہوں اور اسلامی احکام کا دفاع بزورِ دلیل ہو۔ —— ہم اپنی غلط فہمی کی بنا پر اپنا کیس یوں پیش کرتے ہیں، گویا ہمارا ہر مخاطب ایمان بالغیب کا مالک ہے اور بربنائے محبتِ خدا و رسول، دلیل کے بغیر ہی سرِ تسلیم خم کر کے جادۂ اطاعت پر گامزن ہو جائے گا —— مخالفوں کی دلیلوں پر دلیلیں آ رہی ہیں، اور ہم محض اسلام کی اپیل سے ہی دلیل کا کام لیتے ہیں، جو متشککین اور منکرین کے لئے بے سود ہے۔ کاش کوئی ادارہ ہو جو آپ کے موجودہ اور سابقہ (سرکاری مالیات اور بیت المال۔ زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق۔ تقابلی جائزہ۔ ترجمان اپریل ۷۸ء —— محترم ڈاکٹر صاحب کا پہلا خط اسی مضمون کے سلسلہ میں موصول ہوا تھا) مضمون کو لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر، انگریزی دانوں میں تقسیم کرے۔

——— مزید کیا عرض کروں ؟ جزاکم اللہ خیر الجزاء ۔
میرا یہ عریضہ (مدیر ترجمان) علامہ احسان الٰہی صاحب ظہیر کو بھی دکھا دیجئے ۔ کیونکہ اس کا ثواب ان کو بھی جاتا ہے !

نیازمند
سید عبداللہ

مولانا موصوف کا زیرِ نظر مضمون ، ترجمان کے ایک محترم قاری مولانا عبدالعزیز خطیب مرکزی مسجد اہلحدیث وصدر مدرس جامعہ تدریس القرآن والحدیث جامع مسجد روڈ راولپنڈی کے ایک استفتاء کے جواب میں ہے ——— لکھتے ہیں :

مکرمی و محترمی مولانا صاحب زید مجدکم !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ' ——— ارجو من اللہ تعالیٰ ان تکونوا بصحۃ والسلام !
آپ کو معلوم ہے ، آجکل انتخابات کا خوب چرچا ہے ۔ کچھ حضرات ولیڈران کرام ، انتخابات کے حق میں ہیں اور اکثریت (عوام) اس کے مخالف ——— شریعت اسلامیہ کی رو سے بھی اس کے حق میں اور مخالف باتیں ہو رہی ہیں ۔ کچھ ساتھیوں کا خیال ہے ، اس سلسلہ میں ایک مدلل فتوی تیار کر کے اس پر دستخط کروانے کی مہم شروع کی جائے بعض ساتھیوں نے مجھے کہا کہ آپ فتویٰ لکھیں ۔ لیکن میں نے آپ کو اس مسئلہ میں بہت موزوں اور مناسب خیال کیا ۔ اس لئے آپ کو یہ زحمت دی جا رہی ہے کہ آپ اس پر سیر حاصل اور مدلل فتویٰ تحریر فرمائیں تاکہ جلد از جلد دستخطوں کی مہم شروع کی جا سکے آپ سے گزارش ہے کہ آپ اپنی گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر جلدی اس مسئلہ پر یہی تحریر ارسال فرمائیں ۔ نوازش ہوگی ۔ والسلام !

مولانا عبدالرحمن کیلانی نے جواباً جو فتویٰ تحریر فرمایا ، افادۂ عام کی غرض سے اسے ہم ترجمان میں شائع کر رہے ہیں ۔ والسلام !

(ادارہ)

مغربی طرزِ انتخاب کئی لحاظ سے شریعتِ مطہرہ کی روح کے خلاف ، لہٰذا قطعاً ناجائز ہے ۔ اس کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے :

۱- اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کرسی یا عہدہ کا خواہشمند خود کو پیش کرے اور درخواست گزار بنے جبکہ یہ بات ارشادات نبوی کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ کسی عہدہ کی خواہش رکھنے کو آپ نے مذموم فعل قرار دیا ہے۔ فرمایا:

"عن کعب بن مالک عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ذئبان جائعان ارسلا فی غنم قوم بافسد لھا من حرص المرءِ علی المال والشرف لدینہٗ (رواہ الترمذی)

"حضرت کعب بن مالک اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بکریوں کے ریوڑ میں دو بھوکے بھیڑئیے اتنی تباہی نہیں مچا سکتے جتنی کسی انسان کی مال اور کرسی کے لئے حرص اس کے دین کیلئے تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔"

یہ ارشاد تو کرسی کی آرزو سے تعلق رکھتا ہے۔ درخواست گزارنے کے متعلق درج ذیل ارشاد ملاحظہ فرمائیے:

"عن ابی موسیٰ قال دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا ورجلان من بنی عمّی فقال احدھما: یارسولَ اللہ امِّرنا علی بعضِ ما ولّاک اللہُ وقال الآخر مثل ذالک، فقال "انّا واللہِ ما نولّی علی ھذا العملِ اَحَداً سأله، وَلَا اَحَداً حَرَصَ عَلَیہِ" وفی روایۃ: "لا نستعمل علی عملنا من ارادہٗ" (متفق علیہ)

"حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ میں اپنے دو چچیرے بھائیوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ ان میں سے ایک نے عرض کی "اے اللہ کے رسول، آپ کو اللہ نے جو حکومت بخشی ہے، اس کے کچھ حصہ پر ہمیں حاکم بنا دیجئے" پھر دوسرے نے بھی کچھ ایسی ہی بات کہی تو آپؐ نے فرمایا "خدا کی قسم، ہم کسی ایسے شخص کو حاکم نہیں بنایا کرتے جو اس کیلئے درخواست کرے اور نہ ہی ایسے شخص کو حاکم بناتے ہیں جو اس کی حرص رکھتا ہو"۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "ہم اپنے انتظامی امور میں کسی ایسے شخص کو شامل نہیں کرتے جو اس کا ارادہ رکھتا ہو"۔

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کسی عہدہ کیلئے درخواست پیش کرنا تو دور کی بات ہے اس کی آرزو رکھنا یا ارادہ کرنا بھی شرعاً ناجائز ہے۔ جبکہ موجودہ طرز انتخاب میں صرف ارادہ اور درخواست

پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اس مقصد کے حصول کے لئے کئی طریقوں سے ایک طویل عرصہ تک کنویسنگ اور ... ہے اور اس میں ہر جائز و ناجائز حربہ اختیار کیا جاتا ہے۔

کسی عہدہ کا ارادہ رکھنا یا اس کے لئے درخواست پیش کرنا کیوں معیوب ہے؟ اس کا فلسفہ درج ذیل حدیث میں ملاحظہ فرمایئے:

عن عبد الرحمن بن سمرة قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لا تسئل الامارة فانك ان اعطیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها (متفق علیہ)

"حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کرسی کے لئے درخواست مت کر، کیونکہ اگر بذریعہ درخواست کرسی ملے گی تو تمام ترذمہ داری تم پر ہوگی۔ اور اگر تمہیں بغیر درخواست (اور آرزو) کے مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے شاملِ حال ہوگی۔"

۲۔ اس طرزِ انتخاب میں ہر بالغ شہری کو ووٹ دینے کا حق دیا گیا ہے۔ ووٹ حقیقتاً ایک شہادت ہے جس کے ذریعہ رائے دہندہ یہ گواہی دیتا ہے کہ فلاں نمائندہ ملک اور قوم کی خدمت بہتر طریق سے سرانجام دے سکتا ہے۔ لیکن اس بات کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ رائے دہندہ کا اپنا کردار کیسا ہے؟ اگر وہ خود بدکردار ہے تو یقیناً کسی اپنے ہی جیسے آدمی کے حق میں ووٹ دے گا۔ اسلام کی نظر میں ایک بدکردار اور مجرم ضمیر شخص کی شہادت ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے:

"والذین یرمون المحصنت ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمنین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا"

"جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر چار گواہ پیش نہیں کر سکتے، ان کو اسی درّے مارو، اور آئندہ کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو۔"

۳۔ اس طرزِ انتخاب میں برے بھلے کی کوئی تمیز نہیں اور ان کی رائے کی قیمت یکساں قرار دی گئی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے یہ بات بھی سراسر غلط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قل هل یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبك كثرة الخبیث"

(اے پیغمبرؐ، ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ آیا خبیث اور طیب ایک جیسے ہو سکتے ہیں، اگرچہ خبیث کی کثرت آپ کو بھلی ہی کیوں نہ لگے!

۴۔ اسی طرح اس طرزِ انتخاب میں بے شعور اور بے بصیرت شخص کے ووٹ کی نسبت میں ارباب حل و عقد اور باشعور آدمیوں کے ووٹ کی قیمت میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ انتخاب خواہ صدرِ مملکت کا ہو، ایک وزیرِ اعلیٰ کے ووٹ کی قدر و قیمت بھی وہی کچھ ہوگی جو گلی کے ایک خاکروب کی۔ جسے ملک و ملت کے مسائل کا شعور تک نہیں ہوتا۔ یہ بات بھی شریعت کے سراسر منافی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قل هل يستوى الاعمى والبصير

"اے پیغمبرؐ، ان سے پوچھیے، کیا ایک اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟"

۵۔ اس طرزِ انتخاب میں بینا و نابینا سب ایک بھاؤ بکتے ہیں۔ برے بھلے کی تمیز روا نہیں رکھی جاتی۔ نہ ہی مجرم اور متقی انسان میں کچھ فرق کیا جاتا ہے۔ ووٹوں کی گنتی کے بعد کثرتِ تعداد کی بنیاد پر انتخاب عمل میں لایا جاتا ہے۔ اور یہ تو ایک واضح سی بات ہے کہ ہر دور میں عوام کی اکثریت ہمیشہ جاہل اور بے بصیرت لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ صاحبِ فہم و فراست اور راستباز لوگ ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی طرزِ انتخاب میں انتخاب کا حق خواص کو دیا جاتا ہے۔ اور عوام کو انتخاب کے بعد بیعت یا اطاعت کرنا ہوتا ہے۔ موجودہ جمہوریت کے طرزِ انتخاب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہالت اور ضلالت ہی بر سرِ اقتدار آتی اور فروغ پاتی ہے۔ لہٰذا عوام کو غیر مشروط طور پر ووٹ کا حق دینا یکسر غلط اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وان تطع اكثر من فى الارض يضلوك عن سبيل الله

"اے نبیؐ، اگر آپ لوگوں کی اکثریت کے پیچھے لگ گئے تو یہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے"

۶۔ اس طرزِ انتخاب میں عورت کو بھی نمائندگی کا حق دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ سربراہِ مملکت یا وزیرِ اعظم بھی بن سکتی ہے۔ اس بات کو بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سخت ناپسند فرمایا ہے:

عن ابى بكرة قال لما بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اهل فارس قد ملكوا عليهم بنت كسرىٰ قال كيف يفلح قوم ولوا امرهم امرأة (بخاری)

حضرت ابو بکرہ فرماتے ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی (بوران، نوشیروان کی پوتی اور شیرویہ کی بہن) کو اپنا بادشاہ بنا لیا ہے تو فرمایا "وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنا سربراہ ایک عورت کو بنا لیا ہے"

عورت کی جسمانی ساخت اور اس کے عوارضات بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ عورت اپنے

فطری دائرہ کار سے باہر کر کوئی ذمہ داری کا عہدہ سنبھال سکے۔ نیز اندریں صورت بے حجابی، بے حیائی اور فحاشی کو فروغ بانی ہے جو اسلامی نقطۂ نظر سے کسی قیمت پر بھی گوارا نہیں۔

اسی طرح عورت کو رائے دہی کا مساوی حق عطا کرنا بھی کوئی پسندیدہ فعل نہیں۔ اسلام نے عورت اور مرد کے دائرہ کار کو متعین کر کے درمیان میں ایک واضح لکیر کھینچ دی ہے۔ لیکن تہذیب حاضر نے عورت کو گھر سے نکال کر جنسِ بازار بنا کے رکھ دیا ہے۔ پھر اسے سیاست وریاست کے میدان میں لا کھینچا ہے ایسی بے حیائی اور عورت ومرد کا ہمہ وقتی اختلاط شریعتِ مطہرہ کے یکسر منافی ہے۔ عورت کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے لیکن ان حدود وقیود کے اندر رہ کر، جو شریعت نے معاشرہ کے بگاڑ سے بچاؤ کی خاطر عائد کر رکھی ہیں۔

۷۔ قانون سازی:

اس طرزِ انتخاب کے نتیجہ میں منتخب شدہ ارکانِ اسمبلی کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ عوام کی خواہشات اور مطالبات کے مطابق قانون سازی کے فرائض سرانجام دیں۔ یہ ارکانِ اسمبلی چونکہ عوام کے ووٹوں سے تشریف لاتے ہیں لہٰذا انہیں عوامی خواہشات کا بہرطور احترام کرنا پڑتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ وہ خواہشات شریعت مطہرہ کے یکسر منافی ہوں۔ اور یہی چیز حقیقتاً شرک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"افرأیت الذی من اتخذ الٰھہٗ ھواہ"

"کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔"

اس قرآنی ارشاد کے مطابق اگر فردِ واحد کو، جو خدا کے حکم کے علی الرغم اپنی خواہشات کے پیچھے لگ جاتا ہے شرک کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔ تو یہ اسمبلیاں جو عوامی خواہشات کے پیچھے لگ کر اور خدا اور رسولؐ کے ارشادات کو نظر انداز کر کے قانون بناتی ہیں، آخر شرک کے اڈے کیوں نہیں قرار دی جا سکتیں؟ شرک کی شکلیں ہر دور میں بدلتی چلی آئی ہیں۔ اور آجکل ہمارے خیال میں ایسی اسمبلیاں اجتماعی شرک کا کردار ادا کر رہی ہیں۔

۸۔ اس طرزِ انتخاب میں ہر بالغ شہری کو نمائندہ کھڑا ہونے کا حق حاصل ہے۔ اس کی اہلیت یا کردار کا کچھ معیار مقرر نہیں ہے۔ نہ ہی اس کے نظریات کو پرکھا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کرسی کی ہوس ہر اس شخص کے دل میں گدگدی لینے لگتی ہے جس کے پاس چار پیسے ہوں اور دورِ حاضر کی مکروہ سیاست کی شاطرانہ چالیں چلنا جانتا ہو۔ ایسے لوگ اپنی الگ الگ پارٹیاں تشکیل دے کر باہم صف آرا ہو جاتے ہیں۔ اور آپ کو شاید یہ معلوم ہوگا کہ اس وقت پاکستان میں تقریباً ۲۰ پارٹیاں اس محاذ آرائی میں مصروف ہیں۔ اور کچھ نئی ابھی معرضِ وجود میں آ رہی ہیں ان میں سے ہر پارٹی کرسی پر براجمان ہونے کے خواب دیکھتی ہے۔ اس طرح ملک کئی سیاسی دھڑوں کا شکار ہو جاتا

اور پوری قوم تفرقہ بازی تشتت اور انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسلام نے ایسی تفرقہ بازی کو بھی شرک کے مترادف قرار دیا ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"منیبین الیہ واتقوہ ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا کل حزب بما لدیھم فرحون"

"مسلمانو! خدا کی طرف رجوع کئے رہو۔ اس سے ڈرتے رہو۔ نماز قائم کرو اور مشرکوں سے نہ ہو جاؤ (یعنی) ان لوگوں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا — ہر فرقہ اپنے نظریات پر نازاں ہے"۔

ایک اسلامی ریاست میں ایسی سیاسی پارٹیوں کی کوئی گنجائش نہیں ... سے کسی معاشرہ کے دو ہی دھڑے ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو اسلام اور اسلامی نظام حیات کو پسند کرتے اور اس کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ یہ فریق حزب اللہ ہے۔ اور دوسرا فرقہ وہ جو دین بیزار یا اسلامی نظریات کے علاوہ دوسرے نظریات کا پرستار ہو۔ اس قسم کی تمام پارٹیاں حزب اللہ کے مقابلہ میں ایک ہی فریق ہے اور یہ حزب الشیطان ہے۔ ایک اسلامی ریاست میں اس دین بیزار فریق کو ملکی انتخابات میں حصہ لینے کا کوئی حق نہیں۔ اور اس طرح اسلام پسند جماعتوں کی تعداد بھی خود بخود حیرت انگیز حد تک کم ہو جاتی ہے۔

لہٰذا ہمارے خیال میں یہ سوال کہ آیا "ایک اسلامی ریاست میں مغربی طرز کا انتخاب جائز ہے یا ناجائز" دوسرے نمبر پر آنا چاہیے۔ اور پہلا سوال یہ ہونا چاہیے کہ آیا ایک اسلامی ریاست میں اتنی کثیر تعداد میں سیاسی پارٹیوں کے وجود کا کوئی جواز ہے؟ — جس کا جواب سراسر نفی میں ہے۔ تو جب بنیاد ہی غلط ٹھہری، تو اس پر جو کچھ تعمیر ہوگا، وہ کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

۵

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

ایک اسلامی ریاست کا اصل مقصد نظامِ حیاتِ اسلامی کا قیام ہے، سربراہِ مملکت یا عام انتخابات اصل مسئلہ نہیں۔ اگرچہ اسلام نے اسلامی جمہوری انتخاب کو بہتر قرار دیا ہے، تاہم وہ اس پر مصر بھی نہیں سربراہِ مملکت اگر کسی دوسرے طریقے سے برسرِ اقتدار آیا ہے۔ تو اگر وہ ریاست میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق نظام نافذ کرتا ہے تو اس کے تقرر کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی اطاعت

واجب و لازم ہو جاتی ہے۔ اور اس نظام کی بنیادیں درج ذیل امور پر استوار ہوتی ہیں :

"اَلَّذِينَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلوٰةَ وَآتَوُا الزَّكوٰةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ"

" وہ لوگ کہ جب ہم انہیں زمین میں حکومت عطا کریں، تو نماز قائم کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے نیک کاموں کا حکم کرتے اور برے کاموں سے روکتے ہیں "

ان ارشادِ خداوندی میں نظامِ صلوٰۃ، معاشرہ میں تقویٰ پیدا کرنے کے لئے۔ زکوٰۃ معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لئے۔ اچھے کاموں کے حکم اور برے کاموں سے امتناع، معاشرہ میں امن اور نظامِ عدل قائم کرنے کے لئے نیز معاشرہ کو اخلاقی بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے تجویز فرمایا گیا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان میں ان بنیادوں کی داغ بیل پڑ چکی ہے۔ اور صدرِ مملکت ان احکامات کی تعمیل کے لئے بہت حد تک پیش رفت بھی کر چکے ہیں۔ تو اندریں حالات انتخاب، انتخاب کی رٹ لگانا سراسر ناجائز ہے۔

لہٰذا نئے انتخابات کی قطعاً ضرورت نہیں۔ خصوصاً اس لئے کہ ایک تو یہ انتخابات غیر اسلامی طرز پر ہوں گے۔ اور دوسرے اس لئے کہ اس طرح نفاذِ اسلام کا پروگرام متاثر ہو سکتا ہے۔ جو اگر اب بھی نافذ نہ ہو سکا تو پھر شاید ہی اس کی کبھی نوبت آ سکے۔

پس ہم صدرِ مملکت سے اپیل کریں گے کہ جب تک اسلامی نظام مکمل طور پر نافذ نہیں ہو جاتا، انتخابات کو التوا میں ڈال دیں۔ ازاں بعد تشکیلِ حکومت کے لئے اسلامی جمہوری طریق استعمال کریں۔ اگر خدانخواستہ وہ ان سیاسی شعبدہ بازوں یا بیرونی دباؤ میں آ کر مغربی طرزِ جمہوریت پر انتخابات کرانے پر آمادہ ہو گئے تو یقین جانئے کہ سب کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔

لہٰذا انہیں چاہیئے کہ وہ اپنے کاشتہ پودے کو تباہی سے بچائیں۔ موجودہ انتخابات کی صورت میں خدانخواستہ اگر یہ خدشہ درست ثابت ہوا تو وہ خدا کی بارگاہ میں کیا جواب دیں گے جبکہ ایک اسلامی ریاست کے سربراہ کے لئے اسلامی نظام کا نفاذ تو فرضِ عین ہے، لیکن انتخابات کرانا چنداں ضروری نہیں ہے۔

مزید تفصیلات کے لئے ہماری کتاب "مغربی جمہوریت اور پاکستان میں موجودہ انتخابات" ملاحظہ فرمائیں۔